ایک بلوچ طالب علم کی علامہ اقبالؒ سے چند ملاقاتیں

غلام قاسم مجاہد بلوچ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

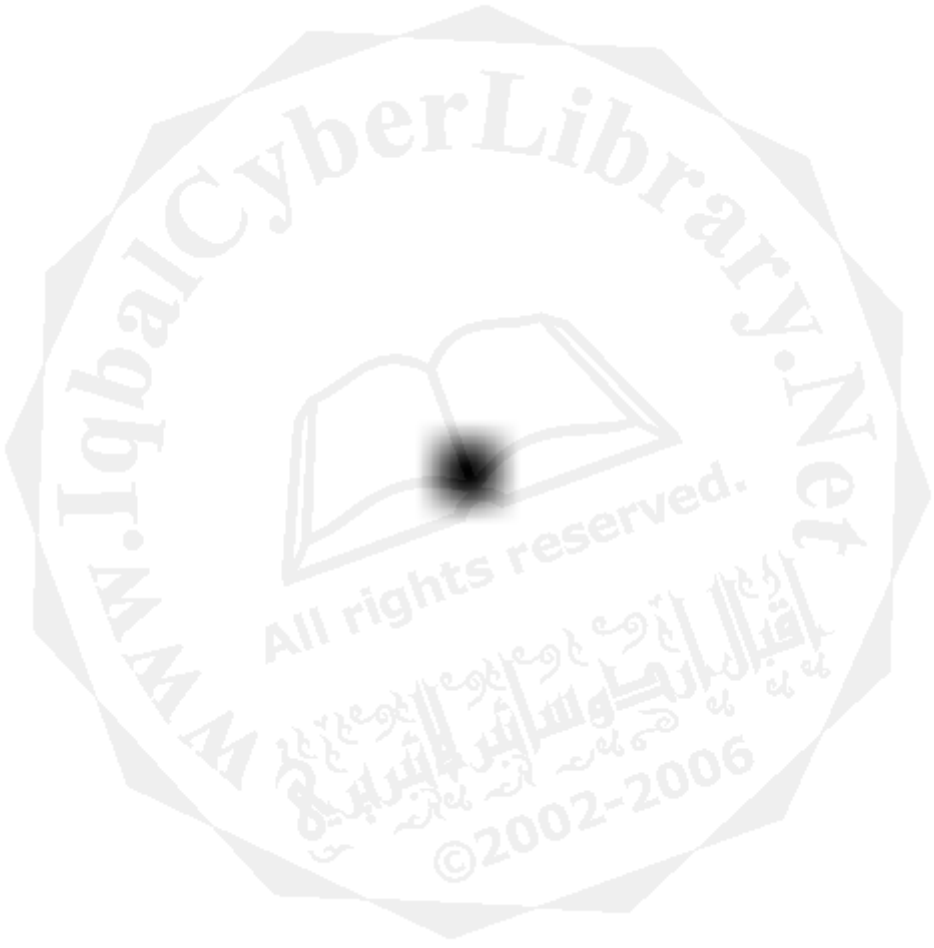

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
اقبال سائبر لائبریری
©2002-2006

عطا محمد قیصرانی بلوچ نے 1935ء سے 1938ء کے عرصے کے دوران علامہ اقبالؒ سے چند ملاقاتیں کی تھیں۔ یہ ملاقاتیں اس وقت ہوئی تھیں جب وہ لاہور میں زیر تعلیم تھے۔ عطا محمد قیصرانی بنیادی طور پر قیصرانی بلوچ قبیلہ کے صدر مقام "کوٹ قیصرانی" تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں کے رہنے والے ہیں۔ قیصرانی قبیلہ کے مرادانی بڈاع (بدیع) شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد احمد خاں قیصرانی علاقے کے متوسط زمیندار تھے۔ عالم فاضل اور عربی فاضل تھے۔ دادا علی خاں قیصرانی نابینا تھے لیکن سینہ قرآن پاک کے نور سے منور تھا۔ پردادا یعقوب خاں قیصرانی بھی حافظ قرآن تھے۔ عطا محمد خان کے فرزند ارجمند جناب ایاز احمد خان قیصرانی فی الوقت ڈیرہ غازی خان کے ممتاز قانون دان وکیل ہیں۔ اس طرح عطا محمد قیصرانی کا خاندان شناخت کے حوالے سے ایک مذہبی اور علمی خانوادہ ہے۔

عطا محمد قیصرانی نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبہ کوٹ قیصرانی میں حاصل کی۔ میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول تونسہ شریف سے پاس کیا۔ ایف۔ اے 1932ء میں دیال سنگھ کالج لاہور سے پاس کیا۔ بی۔ اے بھی اسی کالج سے پاس کیا' جبکہ ایم۔ اے فارسی پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور سے 1937ء میں پاس کیا۔ پیشہ وارانہ تعلیم بی۔ ٹی بھی لاہور سے پاس کیا۔ لاہور میں ان کے اساتذہ کرام میں پروفیسر مولوی فضل حق (گورنمنٹ کالج لاہور)' پروفیسر کھیم چند مترا (دیال سنگھ کالج لاہور)' حافظ محمود شیرانی (اورینٹل کالج لاہور) اور پروفیسر شیخ محمد اقبال (اورینٹل کالج لاہور۔ ماڈل ٹاؤن والے) شامل تھے۔

ستمبر 1942ء میں عطا محمد قیصرانی نے شعبہ تعلیم کے ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول گلمرہ گلی' کوہ مری میں بطور ہیڈ ماسٹر اپنی سروس کا آغاز کیا۔ کچھ عرصہ بعد سرکاری ملازمت مل جانے کے سبب گورنمنٹ ہائی سکول راجن پور میں بطور ایس ایس ٹی مقرر ہوئے۔ پھر ان کا یہاں سے گورنمنٹ ہائی سکول تونسہ شریف میں تبادلہ ہو گیا۔ دو سال وہاں گزارنے کے بعد 1949ء میں گورنمنٹ ہائی سکول نمبر 1 ڈیرہ غازی خاں میں تبدیل ہو کر آئے۔ تین سال یہاں پر رہنے کے بعد ان کا تبادلہ گورنمنٹ ہائی سکول "لیہ"' ازاں بعد "کوٹ ادو" میں ہو گیا۔ 1954ء میں گورنمنٹ ہائی سکول مظفر گڑھ میں تبادلہ ہوا۔ لیکن ایک ہفتہ گزارنے کے بعد ان کو ڈیرہ غازی خان میں بطور "اے ڈی آئی" تعینات کیا گیا۔ 1954ء سے 1958ء تک اسی عہدے پر کام کرتے رہے۔ لیکن پھر ایک سال

کے لیے "ڈسٹرکٹ انسپکٹر" بنا دیے گئے جو آجکل کے "ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر" کے برابر کا عہدہ تھا۔ ازاں بعد ہائی سکول راجن پور میں بطور ہیڈ ماسٹر تعینات ہوئے۔ 1962ء میں ان کا تبادلہ اس بلوچ خطہ کی ممتاز علمی درسگاہ گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ا ڈیرہ غازی خاں میں بطور ہیڈ ماسٹر کیا گیا۔ 1971ء تک اس سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ 1971ء میں اپنی ملازمت کے آخری چھ ماہ جامعہ ہائی سکول ڈیرہ غازی خاں کے "پرنسپل" مقرر ہوئے اور اسی سال ساٹھ سال کی عمر میں ریٹائر ہو کر حکومت سے پانچ سو روپے کی پنشن پائی۔ پھر شہر ڈیرہ غازی خان کی "فرید آباد کالونی" نزد مولوی محمد قاسم مسجد' میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔

عطا محمد قیصرانی نے علامہ اقبال سے زمانہ طالب علمی میں جو تین چار ملاقاتیں کی تھیں' وہ نہ صرف ان کے لیے باعث افتخار ہیں بلکہ پوری بلوچ قوم کے لیے بھی برابر باعث یادگار اور دائمی اعزاز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ راقم نے ان ملاقاتوں کی تفصیل کو منظر عام پر لانے کے لیے ان سے ایک انٹرویو لیا' اور انہوں نے کمال شفقت سے ان ملاقاتوں کی تفاصیل فراہم کیں جنہیں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے:

سوال: آپ کے دل میں علامہ اقبال سے ملاقات کرنے کی خواہش کس طرح پیدا ہوئی اور اس پہلی ملاقات کی بنیادی غایت کیا تھی۔ اس کی کچھ تفصیل؟

جواب: میری ملاقات کی بنیادی غایت علمی اور نصابی تھی۔ میں 1935ء میں اورینٹل کالج لاہور میں ایم۔ اے فارسی کا طالب علم تھا۔ فارسی ادب سے متعلق چند باتیں میرے لیے وضاحت طلب تھیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ علامہ اقبال بھی ہمارے کالج میں پروفیسر رہ چکے ہیں' لہٰذا میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس بارے میں علامہ اقبال سے مستند معلومات حاصل کرلی جائیں' چنانچہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت علامہ اقبال "شاہو کی گڑھی" کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ میں تقریباً دن کے ایک بجے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

یہ سردیوں کا موسم تھا۔ علامہ صاحب باہر لان میں چارپائی ڈال کر دھوپ میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے "اسلام علیکم" کہا اور بلوچ رواج کے مطابق ان سے ہاتھ ملایا۔ انہوں نے "وعلیکم السلام" کہا ہاتھ ملایا پھر کہا بیٹھو عزیز! کرسی لے لو۔" چنانچہ میں کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا: "میرا نام عطا محمد ہے۔ میں یہاں پڑھتا ہوں۔ بلوچ ہوں۔ قصبہ کوٹ قیصرانی ضلع ڈیرہ غازی خان سے رکھتا ہوں۔" علامہ صاحب نے پوچھا" آپ بلوچوں کے کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں؟" میں نے عرض کیا: "میں بلوچوں کے قیصرانی قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں۔" پھر انہوں نے ہماری بود و باش

کے بارے میں دریافت فرمایا "آپ لوگ وہاں کیسی زندگی بسر کرتے ہیں؟ وہاں کے کیااور کیسے حالات ہیں؟" میں نے بتایا: "وہاں اکثر لوگ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں اور علاقے میں صحرائی ببول، ریت کے ٹیلے، وادیاں، لئی (گزلی)، لانڑہ (لانڑو)، بوئی (بو آڑ) وغیرہ ہوتے ہیں۔" علامہ اقبال کو میری یہ باتیں "لئی، لانڑہ اور بوئی" سمجھ میں نہ آئیں، چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ یہ لئی، لانڑہ اور بوئی وغیرہ کیا ہوتے ہیں——— میں نے بتایا: "یہ چھوٹے چھوٹے پودے ہوتے ہیں۔ انہیں مال مویشی اور اونٹ وغیرہ کھاتے ہیں۔ جلانے کے کام بھی آتے ہیں۔" پھر انہوں نے پوچھا "آپ لوگ اپنا گزارہ کیسے کرتے ہیں؟" میں نے بتایا ہمارا بیشتر گزارہ مال مویشی اور بھیڑ بکریاں پالنے پر ہے۔ زمینیں تو ہیں لیکن رود کوہی کا پانی قسمت ہی سے آتا ہے۔ بارش ہوتی ہے تو پھر کہیں کوئی فصل وغیرہ اگتی ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا: "اچھا بلوچ! یہ آپ کے "تمن مار" کیا ہوتے ہیں؟" میں نے انہیں بتایا کہ "جناب یہ تمن مار نہیں ہوتے بلکہ "تمن دار" ہوتے ہیں۔ تمن بلوچی کا لفظ ہے جس کے معنی قبیلہ کے ہیں۔ جس بلوچ قبیلہ کی مسلح لڑاکا آبادی دس ہزار کے قریب ہوتی ہے، اس کے سربراہ کو "تمن دار" کہتے ہیں۔"

علامہ صاحب نے بلوچ "تمن دار" کا جس انداز میں خاکہ اڑایا تھا اور ذومعنی بات کی تھی، یعنی "مار" معنی سانپ۔ مار معنی مارنا، قتل کرنا۔ "تمن مار" معنی "تمن کا سانپ" یا "تمن مار" معنی "تمن کا قاتل" ——— گویا دونوں صورتوں میں یکساں مہلک! بلوچ قبائل کے اکثر غدار اور انگریزی مفادات کے محافظ اور وفادار سرداروں کی خود غرضی کو انہوں نے جس واحد مگر بلیغ ترکیب میں بیان فرمایا تھا، وہ ان کی اسلامی اور ملی طرز فکر کا بے مثل اظہار تھا۔ "تمن دار" کے دوسرے معنی "تمن کی سولی" بھی ہوسکتے تھے مگر انہوں نے "اپنی ترکیب سے جس انداز میں مزاح کا پہلو پیدا کیا تھا، وہ ان کا روایتی ظریفانہ نکتہ رس انداز تھا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا سلسلہ ہے کہ آپ بلوچ لوگ آدمی کو دیکھتے ہی شک کی بنا پر گولی مار دیتے ہیں۔ میں نے بتایا کہ یہ بات درست نہیں ہے بلکہ جب تک ہمیں پورا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک ہم کسی کو گولی نہیں مارتے۔" پھر انہوں نے پوچھا "اچھا! یہ بتاؤ کہ بلوچوں میں یہ قتل و غارت کیوں زیادہ ہے؟" میں نے عرض کیا کہ جناب! یہ "غیرت" کی وجہ سے ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ "یہ جو آپ نے غیرت مندی کی بات کی ہے اور جو ابھی وادیوں میں بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کا ذکر کیا ہے، اس کے بارے میں کبھی کچھ ضرور لکھوں گا۔" پھر شاید انہوں نے اپنی نظم "

بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو" لکھی ہو!

سوال: علامہ اقبال نے اس وقت کس قسم کا لباس پہن رکھا تھا؟

جواب: انہوں نے تہمد باندھ رکھا تھا۔ جسم پر کرتا تھا۔ اس کے اوپر سویٹر پہنا ہوا تھا۔ حقہ ان کے سامنے تھا۔ وہ کش لگا رہے تھے۔ وہ حقہ دھیرے دھیرے پیتے تھے۔

سوال: اس ملاقات میں جو علمی و نصابی باتیں ہوئیں' وہ کیا تھیں؟

جواب: اس وقت ایم۔ اے فارسی کے نصاب میں ایک کتاب " Literary History of Persia" ہوا کرتی تھی جو پروفیسر براؤن نے لکھی تھی۔ اس وقت فارسی پڑھنے کے لیے انگریزی کتب بھی پڑھنی ہوتی تھیں اور لکھنا بھی انگریزی میں ہوتا تھا۔ اس میں پروفیسر براؤن نے امام غزالیؒ کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ میں اس سلسلے میں علامہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا "جناب یہ غزالیؒ ولی اللہ تھے' فلاسفر تھے' کیا تھے؟" علامہ نے فرمایا "وہ سب کچھ تھے۔" میں نے استفسار کیا کہ براؤن صاحب تو ان کے بارے میں اس طرح اور اس طرح لکھتے ہیں۔ علامہ نے فرمایا " دراصل یہ مغربی مستشرقین ہماری زبانوں کے ماہر نہیں ہو سکتے۔ گو براؤن ایک متجسس آدمی ہے' لیکن ان مستشرقین کو ہماری زبانوں' شخصیات اور نظریات کا پورا ادراک نہیں ہو سکتا۔" پھر میں نے قدیم ایرانی بادشاہوں کی تاریخ کے حوالے سے ان سے کسی مستند کتاب کے مطالعے کے لیے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے فرمایا "آپ ایران باستان لے لیں۔" چنانچہ بعد ازاں میں نے وہ کتاب لائبریری سے حاصل کرلی۔ بس انہی معروضات کے بعد میں نے ان سے اجازت طلب کی۔ فرمایا! "اچھا بیٹا! کبھی کبھی ملتے رہا کریں۔"

سوال: علامہ سے اپنی دوسری ملاقات کے بارے میں بھی کچھ بیان فرمایئے!

اصل میں بات یہ ہے کہ اب بہت وقت گزر چکا ہے' اور وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی باتیں ذہن سے اتر جاتی ہیں۔ دوسری یا تیسری ملاقات کی تفصیل ترتیب وار بیان کرنا میرے لیے مشکل امر ہے۔ لیکن میرے خیال میں دوسری یا تیسری ملاقات بھی علمی حوالے ہی سے ہوئی تھی۔ بلکہ علامہ صاحب نے خود مجھے طلب فرما کر ملاقات کا اعزاز بخشا تھا۔ دراصل اس ملاقات کے پس منظر میں ایک دلچسپ واقعہ تھا' وہ یہ کہ میں غالباً 1935ء میں کراچی سے لاہور' بذریعہ ریل سفر کر رہا تھا۔ میرے ساتھ دو ایرانی مسافر بھی سفر کر رہے تھے۔ اس سفر میں علامہ کی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام

مشرق؟" میرے زیر مطالعہ تھی۔ سکھر کے قریب ایک ایرانی نے مجھ سے وہ کتاب دیکھنے کے لیے طلب کی اور پوچھا کہ "ایں کتاب از کیست؟" میں نے کتاب اسے دیتے ہوئے کہا "ایں از علامہ اقبال است" ——— اس نے وہ کتاب لے لی۔ اس کے دوسرے ایرانی ساتھی نے اس سے پوچھا "ایں اقبال بہ مقابلہ (قزوینی یا کسی اور شاعر کا نام لیا تھا جو اب مجھے یاد نہیں ہے) چون است؟" اس کتاب بردار ایرانی نے جواب دیا: "آں آبجو' ایں بحر بیکراں۔" میں لاہور پہنچ گیا تو کچھ دنوں بعد ہمارا' دیال سنگھ کالج میں' پروفیسر کھیم چند مترا کے پاس ایک لیکچر تھا۔ اس وقت ہماری یونیورسٹی کلاسیں دوسرے کالجوں میں بھی جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ پروفیسر مترا نے اپنے لیکچر کے دوران علامہ کے بارے میں کہا کہ علامہ صاحب نے فارسی میں لکھ کر ایسے ہی تکلف کیا ہے' ان کے لیے تو اردو ہی اچھی تھی۔ پروفیسر مترا کے اس تبصرے کے ساتھ مجھے قطعی اتفاق نہ ہوا۔ ایک تو اس لیے کہ میں فارسی کا طالب علم تھا۔ دوسرے ان دو ایرانیوں کا واقعہ اور تبصرہ بھی میرے پیش نظر تھا۔ چنانچہ میں اعتراض کے لیے پروفیسر مترا کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ میں نے کہا "نہیں جناب! اقبال کی فارسی شاعری تو ان کی اردو شاعری سے بدرجہا بہتر ہے۔" انہوں نے وضاحت طلب کی "وہ کیسے؟" تو میں نے انہیں اپنے دو ایرانی ہم سفروں کے تبصرے سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ "دیکھیں ایرانی تو فارسی کے ماہر ہوتے ہیں اور وہ اقبال کو بحر بیکراں تصور کرتے ہیں' اور آپ فرماتے ہیں کہ "علامہ صاحب نے فارسی میں لکھ کر ایسے ہی تکلف کیا ہے۔" انہوں نے فرمایا "ہوگا۔ لیکن میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔" چنانچہ اچھی خاصی بحث ہوتی رہی۔ اس بحث کی اطلاع علامہ صاحب کو پہنچ گئی' یوں کہ شام کو ہمارے یونیوسٹی فیلو ان سے ملتے رہتے تھے۔ چنانچہ میرے کسی یونیورسٹی فیلو کے ذریعے علامہ صاحب نے کہلا بھیجا کہ وہاں کوئی قیصرانی لڑکا ہے' اسے میرے پاس بھیج دینا۔ اس دن تو میں کسی مجبوری کے سبب ان کے ہاں نہ جاسکا' لیکن دوسرے دن تقریباً" تین بجے بعد از دوپہر ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ حسب سابق علیک سلیک کے بعد میں ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا "ہاں بیٹا! مترا کے ساتھ آپ کی کیا گفتگو ہوئی؟" میں نے انہیں سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ سنایا۔ انہوں نے میری گفتگو سننے کے بعد فرمایا کہ "وہ (مترا) بھی ٹھیک کہتے ہیں' اور آپ بھی ٹھیک کہتے ہیں۔" میں نے عرض کی "جناب وہ کیسے ٹھیک کہتے ہیں؟ وہ تو فارسی کا صحیح تلفظ بھی ادا نہیں کرسکتے۔ بود کو بود' ماند کو ماند پڑھتے ہیں۔" تو علامہ صاحب نے فرمایا کہ فارسی کا انگریزی ترجمہ تو ٹھیک

کرتے ہیں نا؟ میں نے عرض کی جی ہاں! انگریزی ترجمہ تو ٹھیک کرتے ہیں۔

پھر انہوں نے فرمایا "آپ ڈیرہ غازی خان سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواجہ غلام فرید کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟" چنانچہ اس وقت تک مجھے جو کچھ معلوم تھا، میں نے ان کے سامنے بیان کیا۔ پھر انہوں نے فرمائش کی "اچھا! خواجہ صاحب کی کوئی کافی سنائیں!" تو میں نے انہیں خواجہ صاحبؒ کی:

"آمل اجکل سانول سائیں
نہ تاں مفتی خون تھیسائیں
انکھیاں بلکن منہ ڈیکھن کوں
گل لاون کوں بھڑکن بانہیں"

والی کافی سنائی۔ لیکن کافی سننے کے بعد علامہ صاحب کو اس بار بھی پہلے کی طرح، "بھڑکن" اور "بلکن" کے معنی اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے۔ انہوں نے پوچھا یہ "بھڑکن" اور "بلکن" میری سمجھ میں نہیں آئے، ان کے کیا معنی ہوتے ہیں؟" چنانچہ میں نے بھڑکن کے معنی تو ان کے سامنے بازو پھیلا کر اور ہاتھ ہلا ہلا کر، باقاعدہ اداکاری کر کے سمجھائے، جبکہ بلکن کے معنی "روشنی اور جھپکنا" کے بتائے۔

میں نے جب رخصت کے لیے اجازت طلب کی تو انہوں نے فرمایا کہ "دیکھو! جب بھی آیا کرو تو مجھے خواجہ صاحب کی کوئی کافی ضرور سنایا کرو!"

✢ ✢ ✢